© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مثالی فہم دین وشریعت-ایک مطالعہ

*ڈاکٹر محمد شہباز منج

Dr Mahmood Ahmad Ghazi was one of the prominent Muslim religious scholars of the present era. He was given by Allah Almighty a great conferment of first-rate vision and approach and ripeness of knowledge and thought to guide the Muslim Ummah in the perspective of modern day cultural, intellectual and psychological challenges. He dedicated his advanced skills to prove Islam predominant to all systems of the world. His thoughts presented in this article illuminate the fact that Islam, due to its unprecedented treasure of knowledge, dignified principles and clear splendid results of its practical promulgation, is exalted and surpassing from all modern well-known isms and systems of the world. The best and most balanced way of life modern world is seeking for, is just Islam, which is the bestowal of the Lord of the worlds and Creator of the mankind, who is best aware of the needs of human being, in the perspective of space-time changing, even from themselves, and which is the only lasting and eternal way of life.

تفقہ فی الدین اوراصابتِ فکر ورائے محسن حقیقی کی خصوصی عنایات میں سے ہے، جو ہر کس وناکس کا مقدر نہیں۔(1) ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم ان خوش بختوں میں سے ہیں جو اس عطائے ربانی کے سزاوار ٹھہرے۔انہیں اللہ تعالیٰ نے عصر رواں کے تہذیبی مزاج ونفسیات کے تناظر میں اہل اسلام کی رہنمائی اورامت کو درپیش جدید اندرونی وبیرونی اورفکری وتہذیبی چیلنجز کے مقابلہ کے لیے مطلوب اعلی وژن اور اپروچ اور پختگیٔ وثقاہتِ علم وفکر سے نوازا تھا۔ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی صاحب دل ونظر مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ ان کے افکار جدید تحدیات کے تناظر میں اسلام کی مطلوب ومحمود تعبیر کے غماز ہیں۔سطور ذیل میں ڈاکٹر صاحب کے آئیڈیل فہم دین اورمثالی اصابتِ تعبیر کو چند عنوانات کے تحت سامنے لانے کی سعی کی جارہی ہے۔

(1) دیگر نظام ہائے قانون کے مقابلہ میں فقہ اسلامی کی برتری کا اثبات:

مستشرقین اورمغربی اہل قلم نے اپنی تحریروں میں اسلامی فقہ کی امتیازی شان کو گہنانے کی کوشش کی ہے۔وہ اسلامی قوانین کو قدیم قبائلی معاشرت کی یادگار قرار دیتے اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

جدید دور میں اسلامی فقہ وقانون ایک نہایت ہی بے مایہ اور بے حیثیت چیز ہے، جس کو، موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں، زیرِعمل لانا جدید دور کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے قدیم جاہلانہ طرزِعمل کی طرف لوٹ جانا ہے۔(2) لہذا دورِحاضر میں دین اسلام کی خدمت کی اہم ترین صورت اسلامی احکام وقوانین سے متعلق پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ اور دیگر نظام ہائے قوانین پر فقہ اسلامی کی برتری کا اثبات ہے۔ یہ چیز دین کے نہایت گہرے فہم اور اعلی فقہی بصیرت کا تقاضا کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو نہ صرف حرزِ جاں بنائے رکھا اور نہایت شد ومد سے پیش کیا کہ آج کے زمانے میں بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن اور مجددِ دوراں وہ ہوگا جو موجودہ قوانین اور قرآنی احکام وقوانین کا تقابل کر کے اس حقیقت کو مبرہن کرے گا کہ قرآنی احکام وقوانین سب سے اعلی اور ابدی وامتیازی شان کے حامل ہیں(3) بلکہ، بغیر کسی بلند بانگ دعوی کے، اپنی خداداد اعلی فقہی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے اقبال کے اس خواب کو شرمندہ معنی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کی اس کوشش کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اس سلسلہ میں بڑا اہم اور قابل قدر کام کیا ہے۔ اس ضمن میں چند شواہد درج ذیل ہیں:

(i) قانون اور فقہِ اسلامی:

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ فقہ اسلامی بھی اسی طرح کا ایک قانون ہے جس طرح دنیا کے دیگر قوانین ہیں، اور فقہ اسلامی کو Islamic Law سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر غازی ثابت کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کا یہ تصور انتہائی سطحی اور محدود تصور ہے۔ فقہ اسلامی کا دائرہ قانون اور لاَ کے مقابلہ میں انتہائی وسیع ہے۔ یہ ایک ایسی بے نظیر چیز ہے جس کی مثال دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ اور کسی اور تہذیب وتمدن میں نہیں ملتی۔ قانون تو صرف حکمرانوں کے مقرر کردہ ان قواعد ضوابط سے متعلق ہے جن کے مطابق عدالتیں مقدمات فیصل کیا کرتی ہیں، اور یہ قواعد وضوابط وہ چیزیں ہیں جن سے، عملی زندگی میں، عام لوگوں کو بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ عام لوگوں کی زندگی کے بمشکل دو چار فیصد معاملات براہ راست عدالتی دائرے میں آتے ہیں، لیکن اس کے برعکس انسانی زندگی کا کوئی بھی کام اور عمل ایسا نہیں جو فقہ کے دائرہ میں نہ آتا ہو۔ دنیا کے تمام قوانین یا تو ان معاملات سے بحث کرتے ہیں جن میں دو انسانوں کے درمیان کوئی تجارتی میل جول یا کوئی کاروباری لین دین ہوتا ہو یا جہاں کسی نے کوئی غلطی کی ہو یا کسی سے کوئی جرم سرزد ہوگیا ہو۔ اس قسم کی چند چیزوں کے علاوہ دوسرے اہم معاملات وموضوعات کا اکثر وبیشتر قوانین کوئی نوٹس ہی نہیں لیتے۔ انہیں اس سے کوئی

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

غرض اور دلچسپی نہیں ہوتی کہ انسانی زندگی اس محدود دائرے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔لیکن فقہ اسلامی کی دلچسپی صبح وشام، دن رات، سونے جاگنے اور جینے مرنے تک انسانی زندگی کے لمحے لمحے کو محیط ہے۔ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔اس نے بہت سارے ورثا چھوڑے۔ورثا میں ایک بچے نے چھ ماہ بعد پیدا ہونا ہے۔وہ گویا ماں کے پیٹ سے یہ حکم دے رہا ہے کہ میرے والد کی وراثت کی تقسیم کے عمل کو روک دیا جائے۔وہ دنیا میں آئے گا اور دیگر ورثا کے ہمراہ باپ کی وراثت میں سے حصہ پائے گا۔پھر فرض کریں وہ ساٹھ ستر سال جیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک وقف قائم کر گیا۔یہ مسجد ہے، مسافر خانہ یا درس گاہ، اور خواہ سینکڑوں برس تک چلنے والا ہے، اس نے جو بھی فیصلہ کیا کہ اس کا انتظام یوں ہوگا تو بموجب حکم شریعت 'شرط الواقف کنص الشارع' جب تک چلے اس کی وصیت کے مطابق چلے گا۔غسل، طہارت، وضو، نماز، نماز جنازہ، حج، زکوۃ، خرید وفروخت، نکاح، طلاق، باہمی لین دین، حقوق اللہ، حقوق العباد، جرم وسزا، خلاقیات وعلی ھذا القیاس، زندگی میں قدم قدم پران چیزوں سے سابقہ پیش آتا ہے جو فقہ کی دائرے کی ہیں۔بنا بریں فقہ اسلامی کی وسعت وجامعیت اور گہرائی وگیرائی کے عشر عشیر کو بھی دنیا کے قوانین نہیں پہنچتے۔(4)

(ii) حمور بی اور روما وغیرہ کے قوانین اور فقہ اسلامی:

جس زمانے میں مسلم فقہا و مجتہدین قرآن وسنت پر غور کر کے ان کے احکام وقوانین کو فقہ اسلامی کی شکل میں مرتب کر رہے تھے اس زمانے میں دنیا میں چند ایسے قدیم قوانین موجود تھے جو نہ صرف اس عہد کے ترقی یافتہ قوانین خیال کے جاتے تھے بلکہ آج بھی ان کا مطالعہ نہایت دلچسپی سے کیا جاتا اور انہیں خاصی اہمیت دی جاتی ہے۔ان قوانین میں قانون حمور بی (5) اور قانون روما (6) وغیرہ شامل ہیں۔ڈاکٹر غازی نے باہمی تقابل کے ذریعہ نہایت مدلل انداز سے ان قوانین پر فقہ اسلامی کی عظمت و برتری ثابت کی ہے۔قانون حمور بی کی کم مائیگی کو واضح کرنے کی غرض سے اس کے بعض مندرجات کا مختصر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قانون میں جھوٹے گواہ کی سزا موت ہے۔غلط فیصلہ کرنے والے جج کو جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے اور ملازمت سے برطرف بھی۔اگر کسی شخص کی دکان یا مکان وغیرہ کی دیوار گر جائے اور اس کے نتیجے میں کوئی شخص مر جائے تو جس نے یہ دیوار بنائی تھی اسے سزائے موت دی جائے گی۔اگر دیوار گرنے سے مالک مکان کا بچہ مر جائے تو دیوار بنانے والے مستری کے بچے کو سزائے موت ہوگی۔انسانوں کو قانون میں تین طبقات، حکام یا اشرافیہ، عامۃ الناس اور غلاموں کے طبقہ، میں تقسیم کیا گیا۔تاہم اس قانون میں بعض اچھی اور مثبت باتیں بھی ہیں جو آسمانی شریعتوں، مثلاً حضرت ادریس، حضرت نوح یا کسی اور قدیم تر پیغمبر کی شریعتوں، کے بقایا جات

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

محسوس ہوتی ہیں۔ طلاق اور سزاؤں سے متعلق بعض احکام تورات اور قرآن کے احکامات سے ملتے جلتے ہیں۔ جیسے مرد کا حقِ طلاق، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان کا اصول، چور کے لیے قطع ید اور بدکار کے لیے موت کی سزا۔ (7) اس کے بعد رومن لا کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ وہ قانون ہے جس پر اہل مغرب کو آج بھی بہت ناز ہے، اور پچھلے ڈیڑھ دو سو سال میں مستشرقین نے بڑے شد ومد سے یہ دعوی کیا ہے کہ فقہ اسلامی قانونِ روما سے ماخوذ ہے۔ اگر دونوں قوانین میں بعض مشترک خصوصیات سے بعض لوگ نیک نیتی سے اس مغالطہ کا شکار ہو گئے ہوں تو وہ معذور سمجھے جا سکتے ہیں۔ (8) لیکن عام طور پر مستشرقین اور مغربی اہل قلم کی طرف سے یہ دعوی اہل مغرب کے حاکمانہ اور مستعمرانہ مزاج اور فقہ اسلامی جیسے نہایت منظّم، وسیع، عمیق اور سائنٹفک نظام کی عظمت کے اعتراف سے متعلق ان کی ناگواری کا شاخسانہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ حقیقت، جیسا کہ مسلم اہل علم نے فقہ اسلامی اور رومن لاَ کے تحقیقی و تقابلی مطالعہ سے ثابت کیا ہے، یہ ہے کہ اسلامی فقہ نہ صرف یہ کہ رومن لاَ سے ماخوذ نہیں بلکہ اس پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں۔ رومن لاَ کی ترتیب، اس کے بنیادی مضامین، اس کے احکام اور اساسی تصورات، سب کے سب، فقہ اسلامی کی ترتیب، مضامین اور بنیادی و اساسی تصورات سے ہر اعتبار سے متعارض ہیں۔ قانون روما تین شعبوں، افراد، اشیا اور اعمال، میں منقسم ہے۔ افراد و اشخاص کے تحت شہریوں اور اجنبیوں کے حقوق و فرائض اور نکاح و خاندان کے امور کا تذکرہ ہوتا اور غلامی و گارجین شپ پر بحث ہوتی ہے، اشیا کے تحت جائیداد، حق قبضہ اور ملکیت وغیرہ کے امور زیر بحث آتے اور اعمال اور ذمہ داریوں کے باب میں معاہدہ، جرائم، جانشینی، ہدایا اور وصایا ایسے امور پر گفتگو ہوتی ہے۔ لیکن فقہ اسلامی کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، وہ امام شافعی کی کتاب الام ہو یا امام مالک کی موطا یا آج کے کسی فقیہ کی کتاب مثلاً شیخ وھبہ الزحیلی کی الفقہ الاسلامی وادلتہ ہو، ان تین عنوانات کے تحت مرتب نظر نہیں آئے گی۔ اس سے اہل مغرب کے مذکورہ دعوی کی بنیاد ہی غلط ثابت ہو جاتی ہے اور یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ فقہ اسلامی کا تمام تر مدار کتاب وسنت اور فقہائے اسلام کی اجتہادی بصیرت پر ہے اور اس کا کوئی بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رومن لاَ سے نہیں رہا۔ رومن لاَ کے مصادر و ماخذ بھی فقہ اسلامی سے یکسر مختلف ہیں۔ فقہ اسلامی رومن لاَ کی مانند کسی بادشاہ کا دیا ہوا قانون ہے، کسی مجسٹریٹ کا دیا ہوا ضابطہ اور نہ بادشاہ کے کسی مشیر کا مشورہ۔ فقہ اسلامی اور قانون روما کا کوئی ادنی سا طالب علم بھی یہ نوٹ کیے بغیر نہ رہے گا کہ ان دونوں میں تصورت کا بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ قانون روما میں بعض احکام ایسے ہیں جو نہ صرف اسلام کے اساسی تصورات سے متصادم ہیں بلکہ دنیا کا کوئی بھی متمدن نظام حتی کہ خود آج کا روما

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی انہیں قبول نہیں کرتا۔مثلاً اس میں درج ہے کہ کوئی مقروض شخص قرض ادا نہ کر سکے تو قتل کر دیا جائے اور اگر قرض کی رقم تھوڑی ہو تو مقروض کو قرض خواہ کا غلام بنا دیا جائے۔(9) پھر فقہ اسلامی ایک بھرپور اور ہمہ گیر تبدیلی کی نقیب ہے جبکہ قانون روما سابقہ زندگی ہی کی ذرا بہتر تنظیم کا داعی ہے۔فقہ اسلامی میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ کتاب وسنت کے فراہم کردہ بنیادی تصورات کے اندر محدود ہے جبکہ قانون روما میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ لامحدود ہے۔فقہ اسلامی فقہاے اسلام کے اجتہاد کا نتیجہ ہے جبکہ قانون روما بادشاہوں یا ان کے مقرر کردہ ماہرین کا طے کردہ ہے۔فقہ اسلامی ایک غیر مدون قانون ہے جبکہ قانون روما کا امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کا پہلا مدون قانون ہے۔بعض جزوی اور ذیلی احکام میں بھی دونوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر فقہ اسلامی میں ہر بالغ مرد اور عورت کو یکساں شہری اور دیوانی حقوق حاصل ہیں۔وہ اپنے ذاتی اور شخصی معاملات مثلاً جائیداد کے حصول اور اس کے نظم ونسق وتصرف میں بالکل آزاد ہیں جبکہ قانون روما میں عورتیں مستقل طور پر مردوں کی نگرانی اور سرپرستی میں تھیں۔وہ اپنے نگران یا سرپرست کی اجازت کے بغیر کوئی جائیداد حاصل کر سکتی تھیں اور نہ حاصل شدہ جائیداد میں کسی تصرف کی مجاز تھیں۔فقہ اسلامی کی رو سے مہر شوہر کے ذمہ ہوتا ہے، جو اس کو لازماً ادا کرنا پڑتا ہے جبکہ قانون روما میں مہر بیوی کے ذمہ ہے۔فقہ اسلامی میں لے پالک بیٹا اصل بیٹے کی جگہ نہیں لے سکتا جبکہ قانون روما، اور اس کے زیر اثر تمام مغربی قوانین، میں لے پالک کے وہی احکام ہیں جو صلبی اولاد کے ہوتے ہیں۔وراثت کے احکام میں فقہ اسلامی اور رومن لاً میں جوہری اختلافات ہیں۔فقہ اسلامی نے دنیا کو بہت سے ایسے نئے تصورات دیے جن سے رومن لاً تو ایک طرف عصر حاضر کے بہت سے ترقی یافتہ قوانین بھی عرصہ دراز تک ناوقف رہے۔اصولِ قانون، ضابطۂ قانون، تعبیر قانون کے اصول، قانونِ بین الاقوام، دستوری قانون، وقف وشفعہ وغیرہ وہ شعبہ ہائے قانون ہیں جن سے قانون روما بہت بعد میں متعارف ہوا۔بلکہ فقہ اسلامی کے متعدد شعبوں کی آج بھی مغرب میں کوئی نظیر نہیں، مثلاً علم فروق اور علم اشباہ ونظائر۔مزید برآں فقہی مذاہب ومسالک کا ظہور کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور آگے چل کر بغداد میں ہوا، جو خالص اسلامی آبادیاں تھیں، جن میں رومی اثرات پائے جا سکتے تھے نہ بازنطینی۔آخر امام مالک اور ان کے اساتذہ امام نافع اور ابوالزناد نے اور امام شافعی وغیرہ آئمہ فقہ نے کس طرح اور کن ذرائع سے قانون روما کے تصورات سے واقفیت حاصل کی؟ تاریخ وتذکرہ کی کسی بھی قدیم وجدید کتاب میں اس امر کا ادنی سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا غیر فقیہ مصنف نے رومی یا بازنطینی قوانین سے دلچسپی لی ہو، ان کا مطالعہ کیا ہو یا ان سے جزوی واقفیت حاصل کی ہو۔یہ حقیقت

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

بھی انتہائی اہم ہے کہ فقہ اسلامی کے تشکیلی دور، یعنی چار ابتدائی ہجری صدیوں بلکہ بعد کے کم وبیش دس گیارہ سو سال، میں بھی، نہ صرف رومن زبان بلکہ مشرق ومغرب کی کسی زبان سے بھی، قانون کی کسی کتاب کا عربی ترجمہ نہیں ہوا، حالانکہ یونانیوں کے علوم وفنون کی بہت سی کتابیں اس دوران عربی میں منتقل کی گئی تھیں۔ درحقیقت اسلامی قانون اتنا مرتب ومنظّم تھا کہ مسلمانوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جو قانون کی قبیل سے ہو اور دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس موجود ہو۔(10) رہے دیگر قوانین تو ان کے مقابلہ میں فقہ اسلامی کا امتیاز اس حقیقت سے ہی عیاں ہے کہ ان کے حاملین میں سے کسی نے یہ دعویٰ ہی نہیں کیا کہ مسلمانوں نے قانون کے باب میں کوئی قابل ذکر چیز ان سے لی ہے۔ یہودیوں کے پاس ایک قدیم اور مرتب ومنظّم قانون ہونے اور قرآن کی طرف سے ان کی شریعت کے آسمانی ہونے کا اعتراف کیے جانے کے باوصف یہودیوں کے ہاں ایسا کوئی دعویٰ نہیں ملتا۔ ہندوؤں کی طرف سے بھی ایسی کوئی سنجیدہ بات سامنے نہیں آئی۔ بدھسٹوں کے پاس تو سرے سے کوئی قانون ہی نہیں تھا۔ انہوں نے اخلاق ہی کو کافی سمجھا تھا۔ عیسائیوں نے از خود تورات کو منسوخ قرار دے کر چند اخلاقی نعروں پر اکتفا کر لیا تھا۔ لہٰذا اٹھیٹ عیسائیوں کو مذہبی تناظر میں ایسے کسی دعویٰ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ سب باتیں اس حقیقت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ فقہ اسلامی بالکلیہ کتاب وسنت اور مسلم فقہا و مجتہدین کی اعلیٰ فقہی بصیرت کا ثمرہ ہے۔(11)

(iii) فقہ اسلامی اور جدید قوانین:

ڈاکٹر غازی نے یہ حقیقت بھی دلائل وشواہد سے واضح کی ہے کہ فقہ اسلامی جدید قوانین میں بھی نہایت ہی منفرد وممتاز مقام کی حامل ہے۔ ان کے مطابق قانون کے بہت سے شعبے اور اصول سب سے پہلے مسلمانوں نے متعارف کرائے اور اس سلسلہ میں متعدد وقیع کتابیں تحریر کیں۔ ان کے استدلال کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

فقہ اسلامی کا ایک اہم شعبہ قانون بین الاقوام ہے۔ اس سے متعلق بنیادی ہدایات قرآن کریم کی سورہ البقرہ، سورہ الانفال، سورہ التوبہ اور سورہ محمد وغیرہ میں اور کچھ تفصیلات احادیث میں آئی ہیں، اور ان کی بنیاد پر فقہائے اسلام نے اس کو ایک منفرد اور الگ شعبہ علم کے طور پر مرتب کیا ہے۔ یہ وہ شعبہ علم ہے جس کو انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار مسلمانوں نے متعارف کرایا۔ دوسری صدی ہجری کے فقہائے اسلام سے قبل دنیا اس تصور سے ناواقف تھی کہ قانون کے دو حصے ہونے چاہییں؛ ایک ملکی قانون (Muncipal Law) اور

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

دوسرا بین الاقوامی قانون (International Law)۔ مغربی دنیا میں جس شخص نے بین الاقوامی قانون پر سب سے پہلے کتاب لکھی، جس کو مغرب میں بین الاقوامی قانون کا باوا آدم (Father of International Law) کہا جاتا ہے، اس کا نام ہیوگو گروشیس (Hugo Grotius) تھا۔(12) اس کی کتاب Law of War and Peace کے نام سے ۱۶۴۰ء، یعنی کم وبیش گیارہویں صدی ہجری میں سامنے آئی۔(13) اس سے پہلے کسی مغربی زبان میں کوئی ایسی مستقل بالذات کتاب موجود نہیں جسے بین الاقوامی قانون کی کتاب قرار دیا جا سکے۔ ہیوگو گروشیس کو بین الاقوامی قانون کا باوا آدم قرار دیتے وقت اہل مغرب کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا کہ ہیوگو گروشیس کی پیدائش سے ۸۶۰ سال قبل فقہائے اسلام نے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر ایک درجن کتابیں لکھ دی تھیں۔ وہ پہلے مسلم عالم جنہوں نے بین الاقوامی قانون پر کوئی مستقل بالذات کتاب لکھی، امام ابوحنیفہ ہیں۔ آپ کی کتاب 'کتاب سیر ابی حنیفہ' کے نام سے تھی، لیکن یہ کتاب دستبردِ زمانہ کا شکار ہوگئی۔ اس موضوع پر جو قدیم ترین کتابیں ہم تک پہنچی ہیں وہ امام ابو حنیفہ کے شاگردِ خاص امام محمد بن حسن شیبانی کی تین کتابیں ہیں۔ پہلے انہوں ایک مختصر کتاب 'السیر الصغیر' کے نام سے لکھی۔ بعد میں 'السیر الکبیر' کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی، جس کا دنیائے اسلام میں غیر معمولی استقبال کیا گیا۔ اس کتاب کی تکمیل پر بڑا جشن منایا گیا، خلیفہ ہارون الرشید نے خود بھی اس جشن میں حصہ لیا، امام محمد کے گھر سے سرکاری طور پر ایک جلوس نکالا گیا، جس میں اس کتاب کی جلدیں رکھی گئیں اور لوگ ایک جلوس کی شکل میں اس کتاب کو لے کر خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں پہنچے اور ہارون نے اس کتاب کو اپنے عہدِ حکومت کا اہم ترین کارنامہ قرار دیا۔ بعدازاں امام محمد نے درمیانے درجہ کی ایک کتاب 'السیر الوسیط' تحریر کی، جو مخطوطہ کی شکل میں استنبول کے کتب خانہ سلیمانیہ میں موجود ہے۔ امام محمد کے زمانے میں اور بھی کئی حضرات نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ لہذا یہ کہنا کہ قانونِ بین الاقوام کا باوا آدم فلاں ڈچ یا کوئی اور قانون دان ہے بالکل غلط ہے، قانون بین الاقوام کا باوا آدم اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ امام ابوحنیفہ یا امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔(14)

آج کل دنیا کے ہر قانون کے دو شعبے ہوتے ہیں؛ ایک قانونِ اصلی (Substantive Law) اور دوسرا قانونِ ضابطہ (Procedural Law)۔(15) لیکن دنیا تقریباً دو ہزار سال تک قانون ضابطہ کے تصور سے واقف نہیں تھی۔ رومن لاً، یہودی قانون، منوشاستر اور جسٹینین کے کوڈ میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ سب لوگوں کے ہاں قانون اصلی اور قانون ضابطہ ملے جلے تھے، ان میں فرق وامتیاز کا کوئی تصور کسی

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

کے ذہن میں نہ تھا۔اس کا تصور ادب القاضی کی اصطلاح کے تحت پہلی بار مسلمانوں نے پیش کیا۔ادب القاضی پر سب سے پہلے عباسی عہد میں اسلامی ریاست کے چیف جسٹس امام ابو یوسف نے ایک کتاب تحریر کی۔لیکن یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی،البتہ اس موضوع پر امام ابوبکر خصاف متوفٰی ۲۶۰ھ کی کتاب دستیاب ہے۔(16) گویا قانون ضابطہ کا وہ تصور جس سے مغرب ابھی دواڑھائی سو سال قبل آشنا ہوا ہے فقہ اسلامی نے تیسری صدی ہجری میں مرتب شکل میں دنیا کو دے دیا تھا۔(17)

آج مغربی دنیا یہ دعوی کرتے ہوئے نہیں تھکتی کہ ایڈم سمتھ(Adam Smith)(18) وہ پہلا شخص تھا جس نے Wealth of Nations کے نام سے دولت کے موضوع پر سب سے پہلے کتاب لکھی۔(19) لیکن یہ دعوی حقائق کے سراسر خلاف ہے۔مسلم اہل فقہ نے دوسری صدی ہجری میں مالیات کے موضوع پر تین اہم کتابیں لکھ دی تھیں، جو آج بھی دستیاب ہیں۔ان کتب میں ابو عبید القاسم بن سلاّم کی 'کتاب الاموال'،یحیی بن آدم کی 'کتاب الخراج' اور امام ابو یوسف کی 'کتاب الخراج' شامل ہیں۔(20)

عدالت کا ازخود کاروائی کرنے ، یا Suo moto action لینے، کا تصور مغرب میں ابھی سو پچاس پہلے کا ہے،فقہاے اسلام نے یہ تصور پہلی صدی میں دے دیا تھا۔اس تصور کی بنیاد احادیث نبوی پر ہے۔کئی احادیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کچھ مقدمات ایسے ہو سکتے ہیں جن میں کوئی متعین مدعی نہ ہو یا کسی متضرر شخص کو دعوی کیے بغیر اس کا حق دلایا جائے۔ (21)

'علم الشروط'، جسے آج کل دستاویز نویسی کہا جاتا ہے،اور قوانین کے تقابلی مطالعہ (Comperative Law) کے موجد بھی مسلمان فقہا ہیں۔دستاویز نویسی کے بانی امام شافعی ہیں۔انہوں نے کئی دستاویزات ڈرافٹ کیں۔آپ کی 'کتاب الام' میں آپ کے تیار کردہ بہت سے مسودے موجود ہیں۔قانونی وفقہی تصورات کے تقابلی مطالعہ کی طرح مشہور ونامور مفسر،مورخ اور فقیہ علامہ ابن جریر طبری نے ڈالی۔آپ کی کتاب 'اختلاف الفقہا' اس موضوع پر قدیم ترین کتاب ہے، جو آج بھی دستیاب ہے۔(22)

علم اشباہ ونظائر اور علم فروق فقہ اسلامی کے وہ علوم ہیں جن کوئی نظیر آج بھی دنیا کے کسی اور قانونی نظام میں موجود نہیں ہے۔(23) علم فروق پر تاریخ انسانیت کی بے نظیر کتاب علامہ ابو العباس قرافی، جو بہت بڑے فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے سائنسدان اور گھڑی کے موجد بھی ہیں، کی 'کتاب الفروق' ہے۔(24)

احکام کو مختلف درجات میں تقسیم کرکے اس سے متعلق تفصیلی ہدایات بھی فقہ اسلامی کا ایک نمایاں امتیاز

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اس چیز سے دنیا کا کوئی قانونی نظام ابھی تک مانوس بھی نہیں ہو سکا۔دنیا کے قوانین میں دو ہی صورتیں ہوتی ہیں؛یا کسی کام کے کرنے کا حکم ہوتا اور کہا جاتا ہے کہ اس کو کرو،یا کسی کام کو کرنے سے منع کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ اس کو مت کرو۔تیسرا اور درمیانی کوئی راستہ نہیں ہوتا۔لیکن یہ نہایت غیر فطری اور غیر حقیقی تقسیم ہے۔انسان کے اعمال اور سرگرمیوں کی یہی دو قسمیں نہیں ہوا کرتیں۔اس حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر عمل درآمد کے باب میں یہ قوانین فیل ہو گئے۔وہ چاہتے ہیں کہ ایک کام کیا جائے۔جب اس کے مطابق عمل نہیں ہوتا تو سزا دینا ہوتی ہے۔لیکن مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ نہایت ہلکی اور چھوٹی باتوں پر کس کس کو سزا دیتے پھریں۔تھوڑی سی سزا رکھیں تو واضح امکان رہتا ہے کہ لوگ سزا بھگتیں اور پھر بھی وہ کام نہ کریں جو قانون کے مطابق لازمی ہے۔یہ عدالتوں میں آئے روز ہو رہا ہے اور قوانین کی ناکامی صاف ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔کچھ معاملات کو قانون روکنا چاہتا ہے لیکن ان کو لازمی طور پر حرام اور غیر قانونی بھی قرار نہیں دینا چاہتا۔لیکن اس کے پاس اسے ممنوع قرار دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔چنانچہ ایسے امور کو غیر قانونی قرار دے کر تھوڑی سی سزا مقرر کر لی جاتی ہے جس کا نتیجہ عملاً یہ نکلتا ہے کہ لوگ جرمانہ وغیرہ ادا کر کے جرم کا ارتکاب جاری رکھتے ہیں۔شریعت اسلامیہ میں احکام کو حرام،مکروہ،واجب،سنت،مباح،مستحب وغیرہ میں تقسیم کر کے نہایت احسن انداز سے اس الجھن کا حل بتا دیا گیا ہے۔کچھ چیزیں لازماً کرنے کی ہیں ان پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔کچھ ایسے کام ہیں جنہیں کرنا گناہ اور سزا کا موجب ہے۔کچھ پسندیدہ،کچھ ہلکے ناپسندیدہ اور کچھ ناپسندیدہ ہیں۔وعلی ھذا القیاس۔احکام پر عمل درآمد کے تناظر میں انسانی مزاج اور نفسیات کا یہ نہایت گہرا ادراک فقہ اسلامی کی وہ خوبی ہے جس سے دنیا کے قوانین آج بھی محروم ہیں۔ (25)

(2) افتراق وانتشار امت کے اسباب کی تشخیص اور اس کے خاتمے کی تجاویز:

آج کے دور میں امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ اس کا داخلی انتشار وافتراق ہے۔جب تک یہ امت اس افتراق وانتشار سے نجات نہیں پاتی وہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے اور نہ اقوام عالم میں سر بلند ہو سکتی ہے۔لیکن اتحادِ امت کا خواب افتراق وانتشارِ امت کے مسئلہ کے مذہبی محرکات ووجوہ کی تشخیص اور ان کے خاتمہ کی ٹھوس اور موثر تجاویز کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔اس کام کے لیے نہایت اعلی وژن اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے اپنے خداداد وژن اور بصیرت سے کام لے کر افتراق و انتشارِ امت کے مذہبی محرکات کی صحیح صحیح تشخیص کرتے ہوئے ان کے خاتمہ کی نہایت ٹھوس اور موثر تجاویز پیش کی ہیں۔یہاں ہم ان کی اس قبیل کی کاوشوں کو چند عنوانات کے تحت مختصراً ذکر کرتے ہیں:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(i) اندازِ تبلیغ ودعوت:

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں توحید و وحدت کے علمبردار دین کے نام پر جو تبلیغ وتلقین ہورہی ہے، وہ سوسائٹی کو متحد کرنے کی بجائے اسے مسلکوں اور فرقوں کے نام پر مختلف حصوں میں بانٹ رہی ہے۔سارے مبلغین اس حقیقت کو تسلیم کرتے بلکہ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ تعلیم وتبلیغِ دین مسلم معاشرہ میں وحدت کی ضامن ہے،لیکن ان کی کاوشوں کا نتیجہ بالکل الٹ برآمد ہورہا ہے۔یہ امرِ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ تبلیغ ودعوت کا کام غلط نہج پر ہورہا ہے۔ڈاکٹر غازی علیہ الرحمۃ نے اس مرض کی تشخیص کرتے ہوئے تبلیغ ودعوتِ دین سے متعلق لوگوں کے لیے ایک نہایت خوبصورت نسخہ تجویز کیا ہے۔ان کا کہنا ہے ہمارے ہاں اتحاد کی بجائے انتشار کے سامنے آنے کا سبب اسلام کی تعلیم کے حوالے سے مسلکی آرا اور فقہی اجتہادات پر زور دیا جانا ہے۔ان کے مطابق اسلام کے حوالے سے اہلِ مذہب کی ذمہ داریوں کی مختلف سطحیں ہیں۔ان سطحوں کو لحاظ کیے بغیر مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوسکتے۔یہ سطحیں دین،شریعت وفقہ اور ذوق کی ہیں۔جہاں تک غیر مسلموں اور دین سے برگشتہ مسلمانوں میں تبلیغ کا تعلق ہے تو وہ دین ہی کی ہونا چاہیے،اس لیے کہ تبلیغ ہمیشہ دین ہی کی ہوتی ہے۔آپ نے اسلامی ادب میں کسی بھی جگہ تبلیغِ شریعت یا تبلیغِ فقہ کا لفظ نہیں پڑھا ہوگا۔دین سے مراد دین کی بنیادی اساسات یعنی توحید،رسالت اور آخرت اور ان کے مقتضیات پر ایمان اور مکارمِ اخلاق ہے۔یہ چیز ہمیشہ اور تمام اقوام وملل میں ایک سی رہی ہے۔صحابہ کرام دنیا کے گوشے گوشے میں گئے،لیکن ہر جگہ دین ہی کی تبلیغ کی۔ان کے پیش نظر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ،حضور کی نبوت،روزِ آخرت کی جزا وسزا اور مکارم اخلاق کی تعلیم رہی۔کہیں بھی کسی نے لوگوں کو کسی فقہی یا کلامی رائے یا مسلک کی طرف نہیں بلایا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں فقہی اور کلامی حوالوں سے باہم کوئی اختلاف رائے موجود نہ تھا۔یہ اختلاف واضح طور پر موجود تھا لیکن اسے دعوت وتبلیغ کا موضوع نہیں بنایا گیا۔اس لیے کہ یہ چیز تحقیق،فتوی اور فہمِ شریعت کے ذیل کی ہے اور دین کے بعد کا مرحلہ ہے۔ایک صاحب علم اپنے فہم وتحقیق کے مطابق کسی فقہی وکلامی معاملہ میں ایک رائے کو زیادہ صحیح قرار دے گا اور دوسرا دوسری کو۔یہ چیز صحابہ میں بھی موجود تھی،آئمہ سلف میں بھی موجود رہی اور آئندہ بھی موجود رہے گی۔لیکن یہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق سے وابستہ لوگوں کے حلقہ تک محدود رہے گی۔یہ نہ عمومی اور ابتدائی تعلیم کا موضوع ہے اور نہ تبلیغ و دعوت کا۔یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی فقیہِ اسلام نے کھڑے ہوکر یہ اعلان کیا ہو کہ اے عراق والو! خبردار احمد بن حنبل کی فلاں تحقیق غلط ہے،اس کی بات مت ماننا۔ان حضرات نے اعلیٰ فنی اور تحقیقی موضوعات کو تحقیق کے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دائرے تک محدود رکھا اور دعوت، جب بھی دی، دین ہی کی دی۔ بنا بریں تحقیقی معاملات میں ایک سے زیادہ آرا کی صورت میں عوام الناس محققین کی طرف رجوع کریں گے اور جس صاحبِ علم وتقوی کی تحقیق سے انہیں اتفاق ہوگا، اس کی تحقیق کو قبول کرلیں گے۔ تحقیق کے بعد ایک اور چیز کسی صاحب علم کا ذوق ہے۔ اسلام نے کسی شخص کے ذوق کو ختم نہیں کیا۔ صحابہ میں بھی ہر ذوق کے لوگ موجود تھے، آئمہ سلف میں بھی رہے اور آئندہ بھی موجود رہیں گے۔ بعض اوقات کسی دینی شخصیت کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے۔ اس شخصیت کے ماننے والے اس کے ذوق کی پیروی کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس ذوق کو دین بنا دیا جائے اور دین کی طرح اس کی تبلیغ شروع کردی جائے تو یہ چیز فساد کا موجب ہوگی۔ ذوق تو کسی صحابی کا بھی واجب التعمیل نہیں حتی کہ حضور کے ذاتی ذوق کے بارے میں بھی وضاحت کردی گئی کہ جس کا جی چاہے اختیار کرے اور جس کا جی چاہے اختیار نہ کرے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضور دستر خوان پر تشریف فرما تھے۔ وہاں کوئی خاص قسم کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے اجتناب کیا اور یہ عذر فرمایا کہ میرا ذوق اس کو کھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن صحابہ کو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق گوشت تناول فرمایا۔

جوامت نص قرآنی، حضرت ابراہیم کی دعا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب وروز کی محنت سے قائم ہوئی ہے، جس کی وحدت اور حفاظت کی دعائیں حضور نے راتوں کو جاگ کر فرمائی ہیں، کیا اس کی وحدت کو زید، عمر، بکر کی رائے بنا پر افتراق وانتشار میں مبتلا کر دیا جائے؟ یہ سراسر شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم نے دعوت، تعلیم، تحقیق اور ذوق کو آپس میں خلط ملط کر دیا ہے۔ جو شخص تحقیق اور ذوق کی دعوت دے رہا ہے، وہ حضور اور صحابہ کے عمل کی مخالفت کر رہا ہے۔ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ لوگ قرآن کی بجائے تراجم قرآن اور رسول واصحابِ رسول کے طرزِ عمل کی بجائے اپنے اپنے ممدوح علما کے مسالک ومشارب کی دعوت دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے اپنے ممدوح علما سے اختلاف کو کفر ونفاق تک پہنچانے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ لوگوں نے قرآن کو مختلف ترجموں اور تفاسیر کی تنگنائیوں میں محدود کر ڈالا ہے۔ حالانکہ کوئی کتنا ہی بڑا انسان ہو، حتی کہ جلیل القدر صحابی ہی کیوں نہ ہو، اس سے قرآن کی تعبیر میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ہماری دینی درسگاہوں میں روزانہ اس نوع کے تنقیدی تبصرے تو ہوتے رہتے ہیں کہ امام شافعی یا امام مالک وغیرہ سے فلاں غلطی ہوگئی، لیکن مولانا تھانوی، مولانا مودودی یا مولانا احمد رضا خان کے پیروکاران بزرگوں سے کسی غلطی تعبیر کے تصور کو بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ (26)

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

(ii) تعبیر کے اختلاف کا مسئلہ:

ہمارے مذہبی حلقوں میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ علمی وفقہی اور تعبیر کے اختلاف کو کفر و اسلام کا مسئلہ بنا لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریروں اور خطبات میں اس جاہلانہ رویہ سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس طرح کے اختلافات نہ صرف یہ کہ نقصان دہ نہیں، اور ان پر لڑنے جھگڑنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہی یہ تھا۔ آنحضور نے صحابہ کو ایک سے زائد نقطہ ہائے نظر اپنانے کی تربیت دی۔ مثال کے طور پر غزوۂ احزاب کے بعد بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے حضور نے صحابہ کو جلد از جلد بنی قریظہ کے محلے میں پہنچنے اور نمازِ عصر وہاں جا کر پڑھنے کا حکم دیا۔ بعض نے یہ سمجھ کر کہ حضور کا مقصد وہاں پہنچ کر نمازِ عصر پڑھنے کو لازم قرار دینا نہیں تھا، بلکہ ممکن حد تک جلدی پہنچنا تھا، راستہ ہی میں نماز عصر پڑھ لی۔ بعض دیگر نے دوسرا مطلب سمجھا اور وہاں پہنچنے پر نماز قضا ہو گئی۔ حضور نے کسی کو بھی غلط قرار نہ دیا اور دونوں سے کہا کہ تم نے ٹھیک کیا۔ اس قبیل کی اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کے کسی حکم کو سمجھنے اور اس کی تعبیر و تشریح میں دیانت داری سے اختلاف رائے کی پوری گنجائش موجود ہے، اور حکم شرعی کی تفسیر میں کسی شخص کی افتادِ طبع، مزاج اور رویے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ شریعت کا عمومی و جامع نظام اپنے اندر متنوع قسم کی چیزوں کو سمو لینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔ القصہ اسلام میں اختلافِ آرا و مسالک ایک پسندیدہ چیز اور صحت مند سرگرمی ہے۔ اسی بنا پر روایات میں اہل علم کے اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اختلافِ افکار و آرا جیسی باعثِ رحمت چیز کو زحمت نہ بنائیں۔ (27)

شیعہ کو کافر کہنے اور کافر قرار دلوانے کی کوششوں کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: دیکھیے یہ بڑی غیر ذمہ داری کی باتیں ہیں۔ ایسی باتیں کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ یہ دنیائے اسلام میں ایک ٹائم بم رکھنے کے مترادف ہے۔ شیعہ حضرات آج سے نہیں، تیرہ سو برس سے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی بھی مسلمانوں نے انہیں کافر نہیں کہا۔ بڑے بڑے اہل علم نے شیعہ عقائد کا مطالعہ کیا، تو انہیں غلط کہا، ان پر تنقید بھی کی، ان کی کمزوریاں بھی واضح کیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ بات جو پچھلے پندرہ بیس سالوں سے پیدا ہوئی ہے، اس نے دنیائے اسلام میں بڑا فساد پیدا کیا ہے۔ شیعہ کے بہت سے عقائد غلط ہیں، لیکن غلط عقائد کے علمبردار ماضی میں بھی بہت رہے ہیں، مثلاً خوارج کے بہت سے عقائد غلط تھے، لیکن کسی نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا۔ ابو بکر و عمر کی خلافت کا انکار امرِ واقعہ کا انکار ہے اسے گمراہی و جہالت تو کہا جا سکتا ہے، کفر نہیں۔ (28)

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

(iii) پاکستان کی سرزمین پر غیر پاکستانی مذہبی عناصر:

پاکستان میں مذہبی تخرب وتشدد ایک بہت بڑا ناسور ہے۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے ایک بالغ نظر عالم کی حیثیت سے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کے ظہور وشیوع کے محرکات کی نشاندہی اور اس سے بچنے کی راہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ان کے مطابق انگریزی استعمار نے مسلمانوں کے مسلکی اختلافات کو ان کی قوت کمزور کرنے کے لیے استعمال کیا۔۱۹۷۰ء میں مسلکی اختلافات انتخابی میدان میں داخل ہوئے، انتخابی رنجشوں نے مسلکی اختلافات کی زبان اور محاورہ اپنایا اور یوں بتدریج یہ چیز مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم کا ایک خود کار ذریعہ بن گئی۔مذہبی تشدد وتخرب کے جراثیم ۱۹۸۰ء کے عشرے میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۰ء کے عشرے کے آغاز میں اس مذہبی تخرب وتشدد اور دہشت گردی نے ایک عفریت کی شکل اختیار کر لی۔اس کے اسباب میں اندرون ملک کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی پالیسیاں اور خطے کی دیگر قوتوں کی پالیسیاں شامل ہیں۔مخصوص مذہبی عقائد کی اشاعت میں غیر ضروری سختی، بعض مذہبی سیاسی تصورات کو بزورِ بازو برآمد کرنے کی کوشش اور بعض اقلیتی خیالات وتصورات کی غیر ملکی سرپرستی، وہ چیزیں ہیں، جنہوں نے صورت حال کو کشیدہ بنا دیا اور متعدد تشدد پسند گروہ اٹھ کھڑے ہوئے۔بیرونِ پاکستان کی متحارب قوتوں نے اپنے آپس کے اختلافات کو پاکستان برآمد کر دیا اور اپنے اپنے حامیوں کی مدد سے اپنی ذاتی جنگ پاکستان کی سرزمین پر لڑنی شروع کر دی۔اس مسئلے کی حل بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنے دینی معاملات کو خود طے کرنا چاہیے اور غیر پاکستانی عناصر کو پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دینا چاہیے۔جس طرح غیر مسلم قوتوں کا پاکستانی سرزمیں کو حربی وعسکری مقاصد کے لیے استعمال کرنا غلط ہے، دوسری مسلم قوتوں کا اپنے سیاسی اور گروہی مقاصد کے لیے ہماری زمین کو استعمال کرنا بھی غلط ہونا چاہیے۔(29)

(iv) غیر مطلوب اور لایعنی مذہبی مباحث:

اسلام مسلمانوں میں جو رویے پیدا کرنا چاہتا ہے، ان میں ایک نہایت اہم رویہ مذہب کے حوالے سے ایسے مباحث سے احتراز ہے، جن کا دین و دنیا میں کوئی فائدہ نہ ہو۔لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے نہ صرف یہ کہ ایسے بے فائدہ اور غیر مطلوب مباحث سے احتراز نہیں کیا جاتا بلکہ الٹا انہی کو مرکزِ بحث ونظر اور شناختِ ایمان بنالیا گیا ہے۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے اس افسوسناک رویہ کو ترک کرنے پر زور دیا ہے۔حضور کے علم سے متعلق پوچھے گے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ایک غیر ضروری اور بے فائدہ سوال

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

ہے۔ہمیں ایسے سوالات پر اپنا وقت ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔قیامت کے روز ہم سے حضور کے احکام اور آپ کی سیرت کے مطابق عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا،حضور کے علم کی کوانٹٹی سے متعلق ہرگز سوال نہیں ہوگا۔مذکورہ سوال کی لغویت کو منطقی اعتبار سے واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور کے علم کا تقابل عام انسانوں سے کوئی فضول شخص ہی کرسکتا ہے، کیونکہ عام انسانوں کے مقابلہ میں حضور کے علم کی کوئی انتہا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم کا تقابل اس اعتبار سے بے فائدہ مشغلہ ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں حضور کے علم کا محدود ہونا ظاہر و باہر ہے۔کسی شخص کے پاس کوئی پیمانہ نہیں کہ وہ آپ کو بتا سکے کہ حضور کے پاس اتنا علم تھا۔ہم میں سے کوئی بھی اس کے علاوہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ حضور کے پاس غیب کا اتنا علم تھا جتنا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔گویا ایسے سوالات بحث ونظر کا موضوع ہی نہیں ہونا چاہییں۔جب کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ انسانی بساط ہی میں نہ ہو تو اس پر بحث چہ معنی دارد؟(30)

(v) مخالف مذہبی آرا سے متعلق رویہ:

ہمارے مذہبی حلقوں کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ عقیدت اور فکری وابستگی ہے،اس کی تو ہر کمزور سے کمزور چیز بھی صحیح اور لائقِ تقلید ہے اور جس سے یہ وابستگی وعقیدت نہیں اس کا اچھے سے اچھا کام بھی ناقابلِ التفات۔یہی نہیں بلکہ اپنے فکری رہبر کی غلط سے غلط بات کے دفاع میں اور دوسرے کی صحیح سے صحیح بات کی تردید میں 'خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں' کا مصداق بن جاتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اس رویے پر تنقید کرتے ہوئے خذ ما صفا ودع ما کدر کا رویہ اپنانے پر زور دیا ہے۔ایک خطبے میں ڈاکٹر صاحب نے سیرت سے متعلق سرسید کی خدمات کا تذکرہ کیا تو لوگوں نے سرسید کی تجدد پسندانہ تعبیرات کی بنا پر مذہبی حلقوں میں ان سے متعلق پائی جانے والی ناپسندیدگی کے تناظر میں ان سے بہت سے سوالات کیے۔ان سوالات کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ ہمارے ہاں یہ روایت بن گئی ہے کہ یا تو ہر چیز کو بالکل منفی انداز میں دیکھا جاتا ہے یا بالکل عقیدت مندانہ انداز میں۔ضروری نہیں کہ کسی شخص کی ایک بات سے آپ متفق ہوں تو اس کی بقیہ تمام باتوں سے بھی آپ اتفاق کریں یا اگر ایک سے اختلاف ہے تو بقیہ سب باتوں سے بھی اختلاف کریں۔یہ رویہ ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔سرسید کی بہت سی باتوں سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ان کی بہت سی باتیں مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ تھیں۔لیکن ان کی مثبت باتوں اور مسلمانوں کے لیے خدمات کو سراہنے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔کسی سے اتفاق کی صورت میں اس کے ہر رطب ویابس کو درست مان لینے اور اختلاف کی صورت میں ہر بات کا انکار کر دینے کا کوئی جواز نہیں۔(31)

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

(3) اکمل و عالمگیر شریعت و تہذیب اسلامی کا احیا اور اس کے تقاضے:

ڈاکٹر محمود احمد غازی اسلامی شریعت و تہذیب کی اکملیت و عالمگیرت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلامی شریعت و تہذیب کی اکملیت و عالمگیریت کو نہایت جامع و مدلل اندز میں واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے احیا اور مستقبل میں اس کے عالمگیر کردار اور اس سلسلہ میں اہل اسلام کے مطلوب رویہ و طرزِ عمل کے حوالے سے بھی نہایت پر مغز گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں ان کے وژن کا حاصل حسب ذیل ہے:

(i) اسلامی شریعت و تہذیب کی ہمہ گیریت: ایک حقیقت:

مغرب کے دانشوروں کا ایک بہت بڑا طبقہ اسلامی شریعت و تہذیب کی عالمگیریت و ہمہ گیریت کو محض ایک افسانہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک شریعتِ اسلامی چند از کار رفتہ قبائلی روایات کا مجموعہ ہے۔ اہلِ مغرب سے شدید تاثر کے نتیجہ میں دنیائے اسلام کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ، جو عالم اسلام میں بالعموم حکمران اور مراعات یافتہ طبقہ ہے، کے ذہنوں میں بھی شریعت کے بارے میں شدید تحفظات پیدا ہو گئے، اور یہ بھی اہل مغرب ہی کی راگ الاپنے لگا۔(32) ڈاکٹر غازی نے شریعت و تہذیب اسلامی کی ہمہ گیریت و عالمگیریت کو ایک حقیقت ثابت کرتے ہوئے ان سب لوگوں کے خیالات و استدلالات کی غلطی و سطحیت کو مبرہن کر دیا ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ دیگر تمام آسمانی کتابیں، قوانین، تہذیبی اصول، تمدنی طریقے اور ثقافتی رویے کسی نہ کسی اعتبار سے زندگی اور کائنات کے محدود پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں، جبکہ شریعت اسلامی کا دائرہ وسیع ترین ہے۔ وہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجے جانے کے ضمن میں حضور کے ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے دلیل قائم کرتے ہیں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل یا اتمام سے مراد یہ ہے کہ انسانوں میں پہلے سے موجود مکارم اخلاق کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ اخلاق کے تمام منتشر اور جزوی تصورات کو مرتب اور یکجا کر کے انسانوں کو اخلاق کا ایک جامع اور مکمل تصور دے دیا جائے۔ پیغمبر اسلام کا بنیادی کام گذشتہ اقوام کی مذہبیات و اخلاقیات اور انبیا و رسل کی تعلیمات کے بکھرے ہوئے بقایا جات کو جامعیت اور تکمیلیت کی شان سے ہمکنار کرنا تھا۔ ڈاکٹر غازی مرحوم نے مختلف اسلامی عبادات و شعار مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی خصوصیات کے تناظر میں اسلام کی جامعیت و اکملیت اور اس کے جامع الشرائع اور خاتم الشرائع ہونے کو نہایت محکم اور معقول دلائل سے ثابت کیا ہے۔(33) آپ نے شریعتِ اسلامی کی بے نظیر گہرائی اور تعمق کو بھی اس کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت پر دال ٹھرایا ہے۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ انسانوں کی نفسیات، ان کی

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

کمزوریوں، ان کے دنیا میں آباد ہونے اور یہاں موجود رہنے کے عرصہ، ان کے ذہنی سانچوں، وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دماغوں میں پیدا ہونے والے سوالات کے تنوع، ان کی فکری ترقی و ارتقا وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے رہنمائی فراہم کرنا صرف اسلامی شریعت کا امتیاز ہے۔شارحینِ شریعت مثلاً غزالی، شاطبی، شاہ ولی اللہ، اور مجدد الف ثانی کی تحریروں جیسی گہرائی و گیرائی دنیا کے کسی نظام اور اس کے شارحین کا ہاں ڈھونڈے نہ ملے گی۔بعض لوگوں کا اسلام کی انسانیت کو مغرب کے ہیومنزم (Humanism) سے مشابہ قرار دینا پرلے درجے کی کم فہمی ہے۔اسلامی انسانیت کا امتیاز ہی اس کے حق و باطل کے ازلی وابدی معیارات ہیں، جبکہ مغربی ہیومنزم میں اس کے بالکل برعکس انسان کی پسند اور اس کا مفاد ہی حق و باطل کا اصل معیار ہے۔(34) شریعتِ اسلامی نے دیگر نظاموں، مثلاً رومی نظامِ قانون وغیرہ، کی طرح مختلف اقوام کے لیے مختلف قوانین کے مساواتِ انسانی کے منافی تصور کے برعکس روزِ اول ہی سے یا بنی آدم یا ایھا الناس وغیرہ کہہ کر مکمل طور پر مساوات انسانی پر مبنی تصور و نظامِ حیات کی دعوت دی ہے۔انسانی رجحانات اور دلچسپیوں کی بنا پر عدم اعتدال کا خاتمہ ایک ایسی قوم کو شریعت کی حامل بنا کر کیا گیا جو تہذیبی وتمدنی اعتبار سے بے نقش اور صاف سلیٹ کی طرح تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تہذیب کے اولین علمبرداروں کا مختلف اقوام اور ان کی تہذیبوں سے متعلق رویہ کبھی معاندانہ نہ رہا، انہوں نے دیگر تہذیبوں کی ان چیزوں کو جذب کرنے میں جو اسلامی شریعت کی مبادیات کے خلاف نہ تھیں، کسی تعصب سے کام نہ لیا۔وعلی ھذا القیاس جس زاویے سے بھی دیکھیں اسلامی شریعت کی ہمہ گیریت اور عالمگیریت ایک ناقابلِ تردید حقیقت نظر آئے گی۔(35)

(ii) اسلامی شریعت وتہذیب کی ہمہ گیریت وعالمگیریت کا احیا:

اسلامی تہذیب کو ایک جامع ہمہ گیر اور بھرپور تہذیب ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر غازی مرحوم نے اس حقیقت کی طرف بھی بھرپور توجہ دلائی ہے کہ آج کے دور میں اسلام کی بہی خواہی کا نہایت اہم اور بنیادی تقاضا شریعت وتہذیبِ اسلامی کی اس ہمہ گیریت وعالمگیریت کا احیا ہے، اور اس کے لیے مؤثر تجاویز بھی پیش کی ہیں۔انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ امتِ مسلمہ، جو آج کل اس آزادی سے محروم ہے، ذہنی اور فکری طور پر آزاد ہو۔وہ علامہ اقبال کی ''زبورِ عجم'' کی نظم ''مردِ حر'' سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب کوئی قوم ذہنی وفکری اعتبار سے غلام ہو جاتی ہے تو وہ ہر لحاظ سے قومِ بے مقصد و بے منزل ہو جاتی ہے۔لہٰذا ذہنی وفکری آزادی تہذیبِ اسلامی کی ہمہ گیریت کے احیا کی ناگزیر ضرورت ہے۔امتِ مسلمہ کی حقیقی آزادی کے لیے اس کی معاشی آزادی نہایت ہی ضروری عنصر کی

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

حیثیت رکھتی ہے، جس کو غزالی اور ابن تیمیہ جیسے فقہا نے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب واضح کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کی خرابی کا ایک نہایت اہم سبب علماے کم فہم اور نالائق و نااہل حکمران ہیں، چنانچہ ان کا کردار بھی فوری توجہ کا طالب ہے۔(36) یہ سوال بھی فوری اور بھرپور توجہ چاہتا ہے کہ مغرب کے بارے میں دنیاے اسلام کا رویہ کیا ہو؟ مغربی تہذیب، اس کے پس منظر، اس کے خصائص اور زندگی و کائنات سے متعلق اس کے رویہ کا صحیح ادراک کر کے اس کا غیر جانبدارانہ انتقادی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے، تاکہ واقعتاً اس کے مفید پہلوؤں کو جذب اور غیر مفید کو نکال باہر کیا جا سکے۔ اہل اسلام پر مغرب کے غلبے کی ایک اہم وجہ مسلمانوں کے حوالے سے تمام اہلِ مغرب کے رویے کی یکسانیت ہے۔ مسلمان اگر مغرب کے مقابلے میں سر اٹھا کر جینا چاہتے ہیں تو انہیں بھی من حیث القوم اہل مغرب کے حولے سے یکساں رویہ اختیار کرنا ہوگا۔(37) شریعت و تہذیبِ اسلامی کی ہمہ گیریت کا احیا ایک ہمہ گیر اور ہمہ پہلو تبدیلی کا متقاضی ہے، فرد، خاندان، اداروں، علم و تعلیم، آرٹ، ہیومینیٹیز، فنون لطیفہ، انجینئرنگ اور سائنس و ٹیکنالوجی، ہر معاملہ میں انتہائی اخلاص سے اسلامی خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔(38)

(iii) کاسمو پولیٹن فقہ:

اسلام کے عالمگیر کردار کے لیے نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق ایک نئی فقہ کی تشکیل بھی انتہائی ضروری امر ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے اس پر بہت زور دیا تھا۔(39) ڈاکٹر غازی نے کاسمو پولیٹن فقہ کی اصطلاح کے تحت اس مسئلہ کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ آج کا دور بین الاقوامیت کا دور ہے۔ اسلامی عالمگیریت کے لیے ناگزیر ہے کہ ایک نئی اور عالمگیر فقہ تشکیل دی جائے۔ اس فقہ کو Cosmopliton Fiqh یا Globalized Fiqh کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس فقہ کی تدوین کے لیے ہمیں قدیم اسلامی روایت کے ساتھ گہری اور مضبوط وابستگی کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کے تمام مفید تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انہوں نے جدید دور میں عالمگیریت کے مسائل کی بنیادی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف ضروریات کے تحت مختلف فکری مسائل بنیادی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں اور آئندہ پچاس سال میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیریت و گلوبلائزیشن اور اس کے مسائل، فکر کے بنیادی مسائل ہوں گے۔ لہذا ہماری ذمہ داری، آئندہ چند عشروں میں، یہ ہے کہ ہم عالگیریت کی فکری و اخلاقی اساس کا تعین کرنے میں دنیا کی رہنمائی کریں اور دنیا کو مذہب اور معاشرے، مذہب اور تہذیب، مذہب اور ریاست اور مذہب اور معیشت کا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد دلائیں۔(40) اس

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

حقیقت کو سامنے لاتے ہوئے کہ اب بڑے پیمانے پر کسی متعین فقہی مسلک کی پیروی کی حدود بہت سمٹ رہی ہیں اور بالفعل ایک عالمی فقہ وجود پذیر ہورہی ہے(41) ڈاکٹر صاحب مثالیں دے کر واضح کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں پبلک لا کی حد تک کسی متعین فقہ کی پابندی بہت مشکل ہے۔مثلاً احناف کے ٹیٹھ نقطہ نظر سے دیکھیں تو آج کل کے فیکٹریوں، بینکوں اور شیئرز وغیرہ کے وسیع اور اربوں کھربوں کے کاروبار کے بہت سے امور بھی محض وعدے کی قبیل سے ہیں، جو بائینڈنگ نہیں ہے، لہذا اس موقف کی بنا پر یہ کاروبار کسی طور نہیں چل سکتے۔چنانچہ جدید دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے علما نے امام مالک کا نقطہ نظر اپنا لیا ہے، جس میں ایسا ہر وعدہ بائنڈنگ ہے اور عدالت اس کی لازمی پابندی کا حکم دے سکتی ہے۔عصرِ حاضر میں اسلامی فنانسنگ اور بنکنگ وغیرہ کا کام مالکی موقف کے مطابق ہی چل رہا ہے۔موجودہ دور کے بہت سے مسائل اس نوعیت کے ہیں جو کسی ایک فقہی دائرے میں رہ کر حل نہیں ہو سکتے۔بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاملے کو چاروں مشہور فقہی مسالک کے دائرہ سے نکل کر دیکھنا پڑتا ہے۔(42)

(iv) اجتہاد وتقلید کی حقیقت:

کاسموپولیٹن فقہ کی تشکیل اور اسلام کے عالمگیر کردار کے لیے اجتہاد ناگزیر ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اجتہاد پر بھی خصوصیت سے زور دیا اور اس کا ختم نبوت سے قریبی تعلق بتایا ہے۔لیکن اجتھاد کے حوالے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ یہ آئمہ فقہ کے اجتھادات سے بغاوت کی راہ ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس غلط فہمی کے ازالہ کی خاطر اجتھاد کی اہمیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اجتھاد اور تقلید کی حقیقت بھی واضح فرمائی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ بعض اعتبارات سے تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔اگر کوئی شخص دین کا تفصیلی علم حاصل نہ کرسکے یا نہ کرے[کہ شریعت نے اسے سب پر لازم قرار نہیں دیا] تو اس کے لیے شریعت کے مختلف فیہ امور میں اس کے سوا کوئی سبیل نہیں کہ جس کے علم وتقوی پر اسے اعتماد ہو اس کے اجتھادات کے مطابق عمل کرے۔ایسی تقلید ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی۔یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی سائنس سے ناواقف شخص کسی سائنسی معاملہ میں کسی ایسے سائنسدان کی رائے کو تسلیم کرے جس کے سائنسی علم پر اسے بھروسہ ہو یا کوئی معاشی معاملات سے بے خبر شخص کسی ایسے ماہر معاشیات کی رائے پر اعتماد کرے جس کے معاشی علم اور مہارت پر اسے اعتماد ہو۔لیکن اس تقلید کا تعلق روزمرہ زندگی اور معاشرے کی اسلامی اساس اور اس کے تسلسل سے ہے۔مستقبل کی تشکیل اور نقشہ کشی، نئے چیلنجز کا سامنا کرنے، نئے مسائل کو حل کرنے، نئی مشکلات کا دور کرنے اور نئے سوالات کے جوابات کے لیے جرأت مندانہ اجتھاد ناگزیز ہے۔لہذا اہل علم

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وبصیرت کو آگے بڑھ کر اسلام کے عالمگیر کردار کے لیے وہ تمام تدابیر اختیار کرنا چاہییں جن کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔ان تدابیر کے لیے نئے نئے ادارے بھی بنائے جائیں اور ماضی کے اداروں کا احیا بھی کیا جائے۔شریعت نے نہ ماضی کے کسی ادارے اور تجربے کو جوں کا توں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ غیر ضروری طور پر کسی نئے ادارے یا تجربے کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔اس لیے کہ شریعت کا اصل زور مقاصد واہداف اور نصوص کی تعمیل پر ہے نہ کہ وسائل وذرائع پر۔(43)

(4) اسلامی معاشرہ اور ریاست وحکومت:

اسلامی خطوط پر معاشرہ اور ریاست وحکومت کی تشکیل تمام مسلمانون کی تمنا اور دعا ہے۔لیکن صحیح اسلامی معاشرہ کیونکر تشکیل پا سکتا ہے اور ایک اسلامی ریاست کا مقصدِ وجود اور اس کے نمایاں خدوخال کیا ہیں؟ جدید انتظامی ودستوری تناظر میں اسلامی ریاست کیسی ہو سکتی ہے اور اس کی تشکیل کے لیے کون سا طریق عمل اختیار کیا جانا چاہیے؟ اس سلسلہ میں اہلِ اسلام میں بہت سی غلط فہمیاں اور الجھنیں پائی جاتی ہیں اور لوگ مختلف انداز سے افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ڈاکٹر غازی مرحوم نے اپنے تفقہ فی الدین کی بنیاد پر ان سوالات کے حل اور ان الجھنوں اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے حوالہ سے بھی قابل قدر افکار وآرا کا اظہار کیا ہے:

(i) اصلاح معاشرہ کے ذریعہ اسلامی ریاست کی تمنا کی آبیاری:

ہمارے ہاں بہت سے اہل مذہب اپنی تمام تر توانائیاں حکومت کے حصول میں صرف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسلامی خطوط پر اصلاح معاشرہ کی بنیادی ذمہ داری سے غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔یہ رویہ معاشرے اور ریاست ہر دو کی اسلامی تشکیل میں سدِراہ ہے۔ڈاکٹر غازی نے اہل مذہب کو مذہبی خطوط پر معاشرے کی تعمیر کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام میں اصلاح کی ترتیب اوپر سے نیچے کی بجائے نیچے سے اوپر کی طرف ہے۔حکومت مسلمانوں کا مقصودِ اصلی نہیں۔قرآن مجید میں کہیں بھی مسلمانوں سے یہ نہیں کہا گیا کہ اے مسلمانو! تم حکومت قائم کرو، بلکہ امت قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔ہاں اس کام میں اگر حکومت رکاوٹ بنتی ہے تو اس کی اصلاح کرو اور اگر اللہ تم میں سے کسی کو حکومت عطا فرما دے تو وہ اسے اسلام کے مطابق چلائے۔شریعت کی اصطلاح میں ایک ''مطلوب لعینہ'' ہوتا ہے اور ایک ''مطلوب لغیرہ''۔یعنی ایک چیز بذات خود مقصد ہوتی اور دوسری حصول مقصد کا ذریعہ۔اسلام کے نقطہ نظر سے حکومت مقصود لعینہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، مقصود لغیرہ ہے۔ ریاست شریعت کی ضرورت ہے، لیکن ریاست اور شریعت لازم و ملزوم نہیں۔ بلاشبہ شریعت کی ریاستی ذمہ داریاں ریاست کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں، یہی وجہ ہے کہ مکمل اسلامی احکام کے مطابق اسلامی ریاست کا قیام ہم سب کی آرزو ہے، لیکن اس آرزو کی تکمیل کے لیے پھر سوسائٹی ہی کی اصلاح کو فوکس کرنا لابدی ٹھہرتا ہے۔ ریاست اسی وقت اسلامی بن سکے گی، جب معاشرہ اسلامی ہوگا۔ (44)

(ii) اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق ریاست:

اسلامی ریاست پر بات کرتے ہوئے بعض اوقات مخصوص اصطلاحات پر زور دینے یا کچھ خاص اصطلاحات کو دوسرے ماحول اور پس منظر میں استعمال کرنے سے غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسلامی ریاست کے لیے مخصوص اصطلاحات نہیں بلکہ مخصوص اعمال و کردار کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر غازی کے مطابق قرآن و سنت کے نقطہ نظر سے، جیسا کہ اوپر کے عنوان سے بھی واضح ہے، ریاست مقصودِ اصلی نہیں بلکہ ثانوی مقصود ہے۔ انسان کا یہ حق نہیں کہ اس کو حکومت ملے، نہ ہی اس کا فریضہ ہے کہ وہ اقتدار و حکومت کے لیے کوشش کرے۔ (45) انسان کو کام انفرادی اور اجتماعی طور پر شریعت کے احکام، اسلامی معاشرہ میں اخلاقی رجحانات کے فروغ اور رضائے الٰہی کے لیے کرنا ہے، تاہم اگر اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو حکومت و اقتدار سے نواز دے تو ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز و زکوٰۃ کے قیام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سر انجام دیں۔ اگر کوئی ریاست ان فرائض کو انجام دیتی اور احکامِ شریعت کی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے تو وہ مکمل اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کے سربراہ کا نام کیا ہے؟ وہ کس طریقہ انتخاب سے منصبِ حکومت تک پہنچا ہے؟ جیسے سوال کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ فرض کریں ریاست کا سربراہ خلیفہ یا امیر المومنین کہلاتا ہے یا وہ جمہور کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آیا ہے لیکن وہ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو ایسی ریاست ہرگز اسلامی ریاست نہیں کہلا سکتی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی حکمران جمہور کی مرضی سے منتخب نہ ہوا بلکہ مطلق العنان حکمرانی کے تسلسل کی ایک کڑی ہو یا ذاتی طور پر کمزور کردار کا مالک ہو لیکن اگر اس کے دور میں احکام شریعت پر عمل ہو رہا ہو اور مذکورہ چار مقاصد کسی نہ کسی طور پورے ہو رہے ہوں تو کمزوریوں کے باوجود اس ریاست کو اسلامی ریاست کہا جائے گا۔ (46)

(iii)) اسلامی ریاست اور جمہور کا اختیارِ حکمرانی:

اسلامی ریاست میں اختیارِ حکمرانی اور مروجہ جمہوری طرزِ انتخاب و ریاست کے حوالے سے لوگوں میں

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔آج کل جمہوری طرزِ حکومت وانتخاب کے علاوہ کسی طریقے پر لوگ سخت تحفظات ظاہر کرتے ہیں۔(47) مثلاً یہ سوال عام ہوتا ہے کہ ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں حکمران عوام الناس کی مرضی سے منتخب ہوتا ہے۔موروثی بادشاہت یا عوامی رائے کے بغیر نامزدگی کا طریقہ غیر اسلامی ہے۔لیکن دوسری طرف بعض ایسی حکومتوں کو بھی اسلامی کہا جاتا ہے جو عوام کی مرضی سے نہ بنی ہوں۔پھر خلفاے راشدین کا طریقِ انتخاب بھی عام جمہوری طرزِ انتخاب سے مختلف ہے اور وہاں مروجہ انداز کی کسی عوامی رائے کا اہتمام مفقود دکھائی دیتا ہے، حالانکہ خلفاے راشدین کا نظامِ حکومت آئیڈیل اسلامی نظام حکومت قرار دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمود غازی مرحوم نے اس بظاہر بہت پیچیدہ مسئلے کو نہایت احسن اور قابلِ اطمنان دلائل سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ واضح کرتے ہیں کہ فی الوقع اسلام کے نقطہ نظر سے حکمران وہ شخص ہونا چاہیے جسے عامۃ الناس کا اعتماد حاصل ہو۔لیکن عامۃ الناس کی پسند معلوم کرنے کا اسلام نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتایا،اس لیے کہ یہ چیز تجربات اور حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ایک قبائلی معاشرت میں اس کا طریقہ اور ہوگا،ایک چھوٹی شہری ریاست میں اور ہوگا اور ایک بڑی سلطنت میں اور۔بعض اوقات ایسی صورت ہوتی ہے کہ سرے سے کسی طریقہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔گویا اسلام کے نقطہ نظر سے حکومت کسی بھی طریق سے قائم ہوسکتی ہے،لیکن اس کا عوام کی پسند ہونا ضروری ہے۔(48)

حاصل بحث:

عصر حاضر میں، بالخصوص اسلام کو درپیش جدید نوع بنوع تحدیات کے تناظر میں، اسلام کی خدمت کا بنیادی اور اہم ترین تقاضا اس کی ایسی نئی تعبیر ہے جو جدید مادی وسائنسی اور تہذیبی وتمدنی ماحول میں نہ صرف اسے قابل عمل بلکہ دیگر نظام ہائے زیست کے مقابلہ میں برتر واعلی اور اور سب سے بڑھ کر بنی نوعِ آدم کی فلاح وکامرانی کا ضامن ثابت کرے۔لیکن یہ کام ،اقبال کی تعبیر مستعار لیں تو کہنا پڑتا ہے کہ، قدسیوں کے بس کا نہیں ،انہی کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد۔چنانچہ دنیاے اسلام کے بڑے بڑے نامور اہل علم اور صاحبان عزم وحوصلہ نے اس تقاضا کی تکمیل کا بیڑا اٹھاتے ہوئے اسے مقصودِ حیات بنایا،اور اس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ان میں ایک بہت نمایاں نام علامہ اقبال مرحوم کا تھا۔اقبال کے بہت بڑے مداح اور محبّ ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم بھی اسی قافلۂ شوق کے ایک راہرو تھے۔انہوں نے بھی اپنی خداداد اعلی علمی وفقہی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے خدمتِ اسلام کے مذکورہ تقاضا کی تکمیل کی بساط بھر کوشش کی۔زیرنظر مضمون میں آپ کے پیش کردہ افکار آپ کی اس کوشش کا واضح ثبوت فراہم کر رہے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔آپ نے ثابت کیا ہے کہ اسلام اپنے بے نظیر سرمایۂ علم، زریں اصولوں اور اپنے عملی نفاذ کے شاندار بدیہی نتائج کی بنا پر دنیا کے تمام جدید اور معروف نظاموں اور ازموں وغیرہ سے بالا و فائق تر ہے۔آج کی دنیا جس واقعی نجات دہندہ اور متوازن ترین نظام زندگی کی شدید پیاسی ہے وہ انسانوں کے خالق اور زمان ومکان کے کے تغیر تبدل کے تناظر میں ان کی ضرورتوں سے خود ان سے بھی کہیں زیادہ آگاہ رب العالمین کا اپنے نبی آخر الزمان کو عطا کردہ ابدی و دائمی نظامِ حیات، دین اسلام، ہی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ حدیث نبوی میں تفقہ فی الدین کو اللہ کی خصوصی عنایت باور کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْن. (بخاری، کتاب العلم) ''اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا فرما دیتا ہے۔''

2۔ مستشرقین کی اس قسم کی کوششوں کی تفصیلات کے لیے مثال کے طور پر دیکھیے:

Shacht,.J,The Origins of Muhammadan Jurisprudence,Oxford, 1950, P.202.

Coulson, N. J. Conflicts and tentions in Islamic Jurisprudence, London, The University of Chicago Press. N.D. P. 78.

Encycalopedia of Crime and Justice, New York, The free Press, 1983, Vol. 1, P. 194.

3۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء، ص ۵۲۴۔

4۔ ایضاً، ص ۱۳، ۳۹-۴۱، ۴۳-۴۴۔

5۔ حمورابی (Hammurabi) بابل کا چھٹا بادشاہ اور اور مملکت بابل (Babylonian Dynasty) کا بانی ہے۔ اس کا سن وفات ۱۷۵۰ق۔م بتایا جاتا ہے۔اس کا عہد حکمرانی ۱۷۹۲ سے ۱۷۵۰ق۔م ہے۔حمورابی اور اس کے مشہور قانون (Code of Hammurabi) سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو:

Roux, Georges, Ancient Iraq, London, penguin books,1992.

Mieroop, Marc Van De, King Hammurabi of Babylon, UK,Blackwell ,2005.

6۔ قانون روما سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Tellegen-Couperus,Olga, A Short History of Roman Law, London,Routledge,1993.

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Schulz, Fritz, Roman Law in European History. Cambridge University Press, 1999.

7۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۱۴-۱۶۔

8۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم نے بعض لوگوں کے اس مغالطے میں پڑ جانے کے اندیشے کی نشاندہی کرتے ہوئے فقہ اسلامی اور قانون روما کی بعض مشترک خصوصیات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے حوالہ بالا، ص۱۹-۲۲۔

9۔ ایضاً، ص۱۶-۱۹۔

10۔ ایضاً، ص۲۲-۲۵۔

11۔ ایضاً، ص۲۵-۲۶۔

12۔ معروف ڈچ ماہر قانون ہیوگو گروشیس (۱۵۸۳ء-۱۶۴۵ء) اور اس کے کام سے متعلق تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے:

Dumbauld, Edward. The Life and Legal Writings of Hugo Grotius, Norman, Oklahoma, University of Oklahoma Press, 1969.

Gellenic, Christian, Hugo Grotius. Boston, Twayne Publishers, 1983.

13۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۱۸۶۔ محاضرات فقہ میں ہیوگو گروشیس کی Law of War and peace، جس کی بنیاد پر اسے قانونِ بین الاقوام کا باوا آدم قرار دیا گیا، کا سن اشاعت غلط درج ہو گیا ہے۔ یہ کتاب دراصل ۱۶۲۵ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو:

http://oregonstate.edu/instruct/phl302/philosophers/grotius.html

14۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۱۸۶-۱۸۸۔

15۔ قانونِ اصلی (Substantive Law) میں حقوق و فرائض طے ہوتے ہیں اور قانونِ ضابطہ (Procedural Law) میں ان حقوق و فرائض پر عمل درآمد کے طریقے تجویز کیے جاتے ہیں۔

16۔ امام ابوبکر خصاف اور ان کی کتاب ادب القاضی (Islamc Legal and Judicial System) کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو:

http://www.darul-ishaat.co.uk/store/FIQH/

17۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۱۸۹-۱۹۱۔

18۔ سکاٹ لینڈ سے تعلق رکھنے والے مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ (Adam Smith) سے تعارف کے لیے دیکھیے:

© rasailojaraid.com
An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

Bussing-Burks, Marie,InfluentialEconomists,The Oliver press, 2003 ,

pp .38-39.

19۔ اس کتاب کا پورا نام An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations ہے۔ یہ پہلی بار ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

20۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۱۹۲-۱۹۳۔

21۔ ایضاً، ص۱۹۵۔

22۔ ایضاً، ص۲۰۱، ۲۰۳۔

23۔ علم اشباہ ونظائر میں شریعت کے ان احکام کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے جو بظاہر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں۔ پھر جو چیزیں واقعی ملتی جلتی ثابت ہو جائیں اشباہ ونظائر کے تحت رکھی جاتی ہیں اور چیزیں الگ الگ ثابت ہوں فروق کے تحت رکھی جاتی ہیں۔

24۔ ایضاً، ص۲۰۷۔

25۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص۸۹-۹۰۔

26۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۹ء، ص۳۸۰-۴۰۱۔
ایضاً، محاضرات سیرت، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۸ء، ص۵۳۷۔

27۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات حدیث، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۸ء، ص۲۵۲، ۴۷۹، ۴۸۰۔
ایضاً، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، گوجرانوالہ، الشریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ص۲۴۹-۲۵۵۔

28۔ ایضاً، محاضرات فقہ، ص۵۵۴۔

29۔ ایضاً، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، ص۲۵۰-۲۵۱، ۲۵۶۔

30۔ ایضاً، محاضرات سیرت، ص۵۱۱، ۵۷۶ وغیرہ۔

31۔ ایضاً، ص۶۳۲، ۶۳۹، ۶۴۰۔

32۔ مغربی واستشراقی اثر ونفوذ کے نتیجہ میں عالم اسلام کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے اسلام کو جس طرح مغربی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے اس کے تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھیے: محمد شہباز منج، ڈاکٹر، عالم اسلام میں استشراقی اثر و نفوذ-ایک تحقیقی مطالعہ، در، القلم، لاہور، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، جلد۱۴، شمارہ۱۴، دسمبر ۲۰۰۹، ص۹۴-۱۱۹۔

33۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات شریعت، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۹ء، ص۷-۲۶۔

34۔ ایضاً، ۲۷-۲۹۔

35۔ ایضاً، ص۳۲-۶۶، ۴۸۹-۴۹۰، ۴۹۸-۴۹۹۔

© rasailojaraid.com

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com

36۔ ایضاً،ص ۵۱۱-۵۱۴۔

37۔ ایضاً،ص ۵۲۰-۵۲۱۔

38۔ ایضاً،ص ۵۲۴-۵۴۳۔

39. Please see for detail: Iqbal, Allama Muhammad, The Reconstrution of Religious Thought in Islam,Lahore, Sh. Muhammad Asharaf,1977,pp.146-180

40۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات شریعت، ص ۵۴۰-۵۴۷۔

41۔ ڈاکٹر غازی مرحوم کے تصورِ کاسموپولیٹن فقہ کی تائید میں راقم کی رائے ہے کہ فی زمانہ متعین فقہی مسالک کی پیروی عملاً ختم ہوچکی ہے اور مختلف مذاہب فقہ کے پیروی کے دعویدار دانستہ یا نادانستہ عالمی یا ہر دیسی فقہ ہی پر عمل پیرا ہیں۔راقم اس موضوع پر ایک مستقل مطالعہ پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

42۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص ۵۳۳-۵۳۸۔

43۔ ایضاً، محاضرات شریعت، حوالہ مذکور، ص ۵۴۷-۵۵۲۔

44۔ ایضاً، محاضرات سیرت، ص ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۸۲ وغیرہ۔

45۔ ایضاً، محاضرات فقہ، ص ۳۶۰۔

46۔ ایضاً، ص ۳۵۸-۳۷۲۔

47۔ جدید دور میں جمہوری طرز حکومت کی دینی حوالے سے متعدد نامور مسلم مفکرین نے تصویب وتحسین کی ہے۔مثلاً علامہ اقبال کہتے ہیں:

"The republican form of government is not only thoroughly consistent with the spirit of Islam, but has also become a necessity in view of the new forces that are set free in the word of Islam."(Iqbal, Allama Muhammad ,Op.Cit,p.157.)

48 ۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات فقہ، ص ۳۷۲-۳۷۹۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

© rasailojaraid.com